۱۴

دروازے پر کسی گاڑی نے ہارن دیا میرے وجدان نے کہا کہ ہونہ ہو وہی ہے۔ لپک کر دروازے پہ گیا وہی تھی کتنی کھلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ پچھلے دن تو سوگ کے دن تھے ایک زمانے کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا، دیکھ کر حیران ہوئے، اس موت کی فضا میں ہل کر بیٹھے، گذرے دنوں کو یاد کیا۔ جانا کہ اپنے آپ کو پا رہے ہیں۔ کم از کم مجھے تو بالکل ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں کھو گیا تھا اور اب اپنے آپ کو پانے لگا ہوں۔ ایک غم نے ہمارا ملاپ کرایا تھا اس غم نے اپنا کام انجام دیا اور چھٹ گیا۔ کوئی غم پائیدار نہیں ہوتا۔ سب سے زیادہ ناپائیدار موت کا غم ہوتا ہے جس دن بوجان کا انتقال ہوا ہے اس دن ہمیں دنیا اندھیر نظر آ رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی دن اندھیرا چھٹ گیا۔ باتیں شروع ہو گئیں گویا بوجان کے گذر جانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس بہانے ہم اپنے کھوئے ہوئے دنوں کی تلاش میں نکلیں اور اب تو سوئم ہوئے بھی کئی دن ہو چکے تھے سوگ کی فضا بالکل چھٹ چکی تھی اس گھڑی وہ کتنی نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔

"ارے شیریں تم؟"

"پھر تم نے حیرت کا اظہار کیا۔ مجھ میں کیا ہے کہ جب مجھے دیکھتے ہو حیران ہوتے ہو؟"

"حیرت کے پردے میں اصل میں مسرت کا اظہار ہوتا ہے۔"

کار سے اترتے ہوئے بولی "آرٹ سنٹر میں آج کوئی نمائش اوپن ہو رہی ہے۔

چلو گے نہیں ؟" یہ کہتے کہتے اندر آئی "بھابی فوراً تیار ہو جاؤ تمہیں پینٹنگ کی نمائش میں لے کر چلتے ہیں"۔

"شیریں کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اگر پیچھے کوئی آ گیا تو کیا کہے گا کہ ابھی دسواں بھی نہیں ہوا، بیٹے ہونے سیر و تفریح شروع کر دی"۔

شیریں شرمندہ ہو گئی۔

"اچھا ایسا کرتے ہیں" میں نے تجویز پیش کی "میں شیریں کو کمپنی دیتا ہوں۔ نمائش دیکھنے تو بہر حال مجھے جانا ہی تھا"۔

"یہ ٹھیک ہے" زبیدہ نے کہا "تم ہو آؤ۔ کوئی ایک تو گھر پہ رہے"۔

کتنے خوش خوش ہم گھر سے چلے تھے شیریں کتنی چہک رہی تھی۔

"ایک تجویز" مجھے دفعتاً سوجھی۔

"کیا تجویز ہے"؟

"نمائش کونسی صحیح وقت پہ اوپن ہو جائے گی۔ پہلے ایک ایک پیالی چائے ہو جائے چل کر کسی پرسکون گوشے میں بیٹھتے ہیں"۔

شیریں نے تجویز بلا تکلف منظور کر لی۔ گاڑی آرٹ سنٹر کی بجائے کیفے وکٹوریہ کی طرف مڑ گئی۔

کیفے وکٹوریہ کے ایک خاموش گوشے میں ہم کتنی دیر بیٹھے رہے۔ مشترکہ یادوں کے سہارے ماضی میں تاک جھانک کرتے رہے۔ "اخلاق تمہیں یاد ہے نا جب ......" اور پچھلی کسی کو یاد کو اس طرح کریدنا کہ ایک ایک تفصیل سنا ڈالنا۔ اس کا چپ ہونا ۔ تو میرا رواں ہو جانا "شیریں تمہیں یاد ہے یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم ......"

"سب یاد ہے اخلاق مت یاد دلاؤ"۔ ابھی کتنی خوش تھی۔ ایک دم سے اداس ہو گئی۔

"یاد بھی نہ کریں ۔"

"اس وقت تو یاد کر کے خوش ہو لیں گے، مگر اس کے بعد کیا ہو گا۔ یاد ہے ہم نے گھر بیٹھ کر چراغ حویلی کی کتنی باتیں کی تھیں اس وقت پچھلی باتوں کو یاد کر کے کتنا جی خوش ہوا تھا کتنا سکون ملا تھا۔ کتنے زمانے بعد اتنی خوشی اتنا سکون ملا تھا لیکن جب تمہارے یہاں سے گئی تو رات کو بالکل نیند نہیں آئی۔"

"شیریں ۔"

"ہوں ۔"

" وہ دن واپس نہیں آسکتے ؟"

شیریں نے مجھے غور سے دیکھا۔ آہستہ سے اداس لہجہ میں بولی "نہیں ۔"

"کیوں ؟"

" یہ تو میں نہیں جانتی کہ کیوں، مگر جو وقت چلا جاتا ہے وہ واپس نہیں آیا کرتا۔" پھر آہستہ سے جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی ہو "یہی تو مشکل ہے۔"

" ٹھیک کہتی ہو، یہی ساری مشکل ہے بس ایک دفعہ ذرا سی چوک ہو جائے پھر وقت ہاتھ سے ایسا نکلتا ہے کہ ——— کہ بس ———" میرا دھیان کہاں سے کہاں نکل گیا۔ اس وقت کی ایک چوک ———"

شیریں نے فوراً بات بدلی "میرے خیال میں ایک ایک پیالی اور ہو جائے۔"

دیر تک ہم دونوں چپ رہے چپ چاپ چائے پیتے رہے مگر میں بہت دیر تک چپ نہیں رہ سکتا تھا۔ اندر ایک گرہ جو پڑی ہوئی تھی، پھر پھر کر دھیان وہیں آ کر اٹک جاتا تھا "وہاں رہتے تو شاید آگے چل کر کچھ ——— مگر اس کے فوراً بعد ہی تو یہاں آنا پڑ گیا ——— کتنی مرتبہ میں نے سوچا کہ تمہیں خط لکھوں، ہمت نہیں پڑی، سوچ سوچ کر رہ گیا۔"

ویسے اس کے بعد ہم بھی جلدی ہی یہاں آ گئے تھے اسی شہر میں۔

"واقعی؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ کتنے دنوں یہاں رہے۔ پھر کراچی گئے ہیں۔"

"کمال ہے میں یہی سمجھتا رہا کہ تم وہیں ہو۔ اگر مجھے پتہ ہو جاتا کہ تم یہاں آ گئی ہو تو پھر"

"ہمارے حالات ان دنوں اتنے خستہ تھے کہ ہم نے کسی عزیز رشتہ دار کو پتہ ہونے نہیں دیا کہ ہم یہاں آ گئے ہیں ویسے ہمیں سب عزیزوں کا پتہ تھا کہ کون کہاں ہے۔"

"حالات ان دنوں سب ہی کے خستہ تھے۔ ہمارے حالات کونسے اچھے تھے بہرحال اگر مجھے کسی طرح یہ پتہ چل جاتا... کہ تم یہاں ہو تو۔۔۔۔۔۔"

"تو؟" پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ "تو پھر پاکستان کی تاریخ آج مختلف ہوتی۔" فوراً ہی کلائی پر گھڑی دیکھی "دیر ہو چکی۔ چلنا چاہیے۔" اور کھڑی ہو گئی۔

"تقریب تو ختم ہو گئی ہو گی؟"

"خیر اب دیکھنے کا موڈ بھی نہیں رہا۔ واپس چلتے ہیں۔"

"افتتاح میں شریک ہونا کیا ضرور تھا۔ فائنل ہی دیکھنی ہے وہ کل بھی دیکھی جا سکتی ہے۔"

دروازے پر آ کر آہستہ سے گاڑی روکی۔ میں نے اترتے ہوئے اسے دیکھا "اندر نہیں آؤ گی؟"

"نہیں بہت دیر ہو گئی ہے بھابی سے میری طرف سے معذرت کر دینا۔"

"تو فائنل کل دیکھنے جاؤ گی...؟"

"ہاں۔ میں تمہیں فون کروں گی۔"

"یا میں یاد کراؤں؟"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں آؤں گی۔ اسی وقت جس وقت آج آئی

تھی "سوچ کر" مگر ایک بات ہے"۔

"کیا ؟"

" بھابی کہیں گی کہ میرے میاں کو یہ عورت روز کہاں اڑا کے لے جاتی ہے"۔

" جب روز کا پروگرام بنے گا تب اس پہلو پر غور کریں گے"

اس پر کھلکھلا کر ہنسی "اچھا۔ رخصت"۔ فوراً ہی موٹر سٹارٹ کر دی۔

"وکٹوریہ کیفے کی طرف نہ چلیں"؟ میں نے تجویز پیش کی۔

" کوئی لازم ہے کہ جو کل کیا تھا وہ آج بھی کریں"۔

" دیکھیں چائے تو کہیں نہ کہیں چل کر پینی چاہیئے ان مسخروں نے تو کوکا کولا کی ایک ایک بوتل ہاتھ میں تھما دی"۔

" بڑی فضول بات ہے تواضع کا یہ کیا طریقہ لوگوں نے نکالا ہے"۔

" تو پھر گاڑی وکٹوریہ کی طرف موڑ لو۔ چائے تو بہرحال پینی ہے"۔

" مگر یہ کیا ضرور ہے کہ آج بھی چائے اسی کیفے میں پی جائے"۔

" ہاں کسی خوشگوار تجربے کو دہرانے کی کوشش تو نہیں کرنی چاہیئے پھر بھی"۔

شیریں ہنسی۔ گاڑی۔ گاڑی موڑتے ہوئے بولی "مگر ایک شرط ہے"۔

"کیا ؟"

" ہم آج ماضی کو نہیں کریدیں گے۔

" منظور ہے۔"

"مگر میں وکٹوریہ کے اس خاموش گوشے میں پہنچ کر اس شرط کو بالکل بھول گیا۔

فوراً ہی شروع ہو گیا "شیریں، تمہیں یاد ہے ——— ؟"

"بھول گئے کیا معاہدہ ہوا تھا یہ کہ ہم آج ماضی کو نہیں کریدیں گے یادوں کی نان سنس آج نہیں چلے گی۔

"بڑی مشکل ہے میں تو جتنا بھی ہوں ماضی ہی میں ہوں۔"

"حال میں ہونے کی کوشش کرو۔"

"مگر کیسے ؟"

"یہ کوئی دوسرا تو نہیں بتا سکتا۔ آدمی کو خود ہی یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ یادوں میں مقید ہو کر نہ رہ جائے جس طرح بھی ہو اسے حال کی ساعتوں میں اپنے آپ کو دریافت کرنا ہوتا ہے۔"

اس وقت مجھے احساس ہوا کہ شیریں کو جو بزرگ بن کر نصیحت کرنے کی عادت تھی خاص طور پر مجھے وہ ابھی تک گئی نہیں ہے میں نے بھی سعادتمند بن کر اس کی نصیحت سنی۔ پھر کہا "ٹھیک ہے ماضی کو نہیں کریدتے۔ ماضی کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ آج ہے۔ آج کا یہ لمحہ، یہ ساعت جو اس وقت میرے اور تمہارے درمیان گذر رہی ہے"

اس بات پہ تھوڑی گڑبڑائی "پتہ نہیں۔"

"پتہ ہونا چاہیئے۔ مشکل یہی ہے کہ اصل ساعت کا اس ساعت میں پتہ نہیں چلتا ہے۔ جب گذر جاتی ہے تب اس کا پتہ چلتا ہے۔ کامیاب آدمی وہ ہے جو ساعت کو اسی ساعت میں پہچان اور گرفت میں لے لے۔"

"وہ کس طرح ؟"

کتنی معصومیت سے شیریں نے پوچھا اور کس شدت سے میرا جی چاہا کہ اسے آغوش میں بھینچ لوں اور کہوں "اس طرح"۔

عین اس ساعت میں کتنی گذری ساعتیں میرے تصور میں منور ہو گئیں اور گذرتی ساعت ان کی چکاچوند میں گم ہوتی چلی گئی۔

واپسی میں عجب ہوا۔ جب کار اس تاریخی منی بس سٹاپ کے سامنے سے گذری تو مجھے ایک شک سا ہوا کہ جیسے وہ کھڑی بس کا انتظار کر رہی ہے۔ میں بے چین ہو گیا "ذرا روکو"۔

شیریں نے گاڑی کو بریک دیئے "کیوں، کیا بات ہے"؟

بہت عجلت میں گاڑی سے اترتے ہوئے کہا "ابھی آیا" تیزی سے بس سٹاپ کی طرف چلا۔ کار سٹاپ سے اچھی خاصی دور نکل کر رکی تھی مجھے تیز تیز چلنا پڑا۔ مگر جس وقت میں وہاں پہنچا اسی وقت کمبخت منی بس آن پہنچی۔ جو دو چار سواریاں کھڑی تھیں جلدی سے سوار ہو گئیں۔ کنڈکٹر نے بس کا دروازہ بند کرتے ہوئے سیٹی دی اور بس چل پڑی۔ میں نے زنانہ نشستوں کا جلدی جلدی جائزہ لیا کہ اگر وہی تھی تو انہیں میں سے کسی نشست پر بیٹھی ہوگی۔ وہ تو نظر نہیں آئی۔ منی بس تیزی سے آگے نکل گئی۔ مجھے کتنی جھنجھلاہٹ ہوئی کہ منی بسیں آخر تیز کیوں چلتی ہیں۔

میں ہارا ہوا سا واپس آیا اور دروازہ کھول کر خاموشی سے شیریں کے برابر آن بیٹھا۔ شیریں نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ اچھا ہی ہوا۔ پوچھ بیٹھتی تو میں جانے کیا اول پٹاں جواب دیتا۔ خواہ مخواہ وہ شک میں پڑ جاتی۔ تو اچھا ہوا کہ اس نے یوں میرے عجلت سے اتر کر جانے پر کسی تجسس کا اظہار نہیں کیا۔ خاموش گاڑی چلاتی رہی۔ ادھر میں خاموش، اس شش و پنج میں کہ کیا سچ مچ وہ تھی یا مجھے وہم ہوا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ مجھے اتنا خاموش نہیں رہنا چاہیے تھا۔ کوئی نہ کوئی بات کرنی چاہیے تھی کہ وہ بلاوجہ کسی شک میں نہ پڑ جائے مگر اس تردد نے زیادہ طول نہ پکڑا۔ میں اپنی الجھن میں پھنسا ہوا تھا۔ بار بار خیال آتا کہ کیا وہ تھی یا مجھے محض وہم ہوا تھا کہ وہ ہے خیر اس وقت تو یہ سوچ کر اس الجھن کو رفع دفع کر دیا کہ میں اب کونسا اس کے عشق میں مبتلا ہوں جو اس بارے میں زیادہ تردد کروں۔ وہ تو بس ایک تجسس تھا کہ دیکھوں تو سہی کہ کیا وہی ہے اگر تھی تو کیا ہوا، نہیں تھی تو کیا ہوا۔ مگر صبح ہونے پر جب میں دفتر کے لیے چلنے لگا تو یوں ہی مجھے خیال آیا کہ اگر

وہ واپس آگئی ہے تو پھر اس کا وہی ورد ہوگا کہ دفتر جانے کے لیے منی بس سٹینڈ پر پہنچا اور منی بس کا انتظار کرنا۔ سوچا کہ معلوم تو کیا جائے کہ وہ واقعی آگئی ہے تو میں نے سکوٹر گھر پہ چھوڑا اور دفتر کے لیے پیدل گھر سے نکلا۔ اسی سٹاپ پر پہنچ کر منی بس کا انتظار کرنے لگا وہ تو وہاں نہیں تھی۔ ایک ویگن آئی اسے نکل جانے دیا دوسری آئی، اس میں بھی سوار نہیں ہوا۔ دیر بعد تیسری آئی۔ کیا کرتا وہ تو کہیں نظر نہیں آرہی تھی ویگن میں سوار ہوگیا دوسرے دن پھر یہی کیا مگر وہ نظر نہیں آئی۔

پھر سوچا کہ کیوں نہ اس کے دفتر جاکر دیکھ لیا جائے۔ سو اس کے بینک میں جاکر ٹوہ لی۔

"ذکیہ احمد ــــ؟ ــــ وہ تو اب یہاں نہیں ہوتی ہیں"

"ٹرانسفر ہوگیا کیا؟"

"وہ تو بینک ہی چھوڑ گئی کسی فرم میں اسے جاب مل گئی"

"آپ اس فرم کا پتہ بتا سکیں گے؟"

ایک نے دوسرے سے، دوسرے نے تیسرے سے پوچھا "یار وہ ذکیہ احمد تھی نا۔ وہ کس فرم میں گئی ہے"؟

سب انجانے بن گئے "پتہ نہیں جی۔ بہرحال یہاں سے چلی گئی"

ان کے اس جواب پر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ دفتر والوں کی ایک خاص ذہنیت ہوتی ہے ان کے درمیان کوئی لڑکی کام کرتی ہے تو وہ کسی باہر والے کو اس میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے متعلق کبھی کچھ پوچھنا پڑجائے تو کبھی صحیح نہیں بتاتے مگر دفتر والوں پہ کیا موقوف ہے کوئی بھی شخص کسی دوسرے کو محبت کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ ویسے تو ہر آدمی ہی ہر آدمی کا دشمن ہوتا ہے مگر محبت کرنے والے کے خلاف تو متحدہ محاذ قائم ہوجاتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس سے محبت

کر رہا تھا میں نے اپنے آپ کو مطلع کیا کہ تم نے محض تجسس کے طور پر یہ ساری پوچھ گچھ کی ہے کسی جذباتی وابستگی کی بنا پر نہیں۔

"بوجان کے چالیسویں کا انتظام کرنا ہے" زبیدہ نے مجھے نوٹس دیا۔

"اچھا؟" بوجان کے چہلم کو تو میں بھولا ہی بیٹھا تھا "کیا انتظام کرنا ہے"

"ایک تو سب عزیزوں کو اطلاع دینی ہے"

"عزیزوں کو اطلاع۔ یہ تو بہت مشکل کام ہے مجھے تو کسی کا پتہ بھی معلوم نہیں ہے"

"شیریں کو سب کے پتے معلوم ہیں اس وقت بھی اس نے سب کو فون کئے تھے وہ تو ایسی گئی کہ پھر آئی ہی نہیں"

تب میں چونکا میں اس کے چکر میں شیریں کو بھول ہی بیٹھا تھا۔ اب خیال آیا کہ وہ تو ایسی گئی کہ پھر آئی ہی نہیں۔ سوچنے پر یاد آیا کہ جس شام ہم فائنس دیکھنے گئے تھے اس شام کے بعد سے شیریں نے اپنا پتہ نہیں دیا۔ نہ خود آئی نہ فون کیا اسے ہوا کیا۔ پہلے شیریں پر تعجب ہوا۔ پھر اپنے آپ پر تعجب ہوا کہ اس شام کے بعد مجھے شیریں کا خیال ہی نہیں آیا۔ دھیان سے ایسی اتری کہ اب جب زبیدہ نے اس کا ذکر کیا تب اس کی یاد آئی۔ تعجب۔ اتنے قرب کے بعد اتنی بیگانگی۔ کھو کر ایک عمر کے بعد اسے پایا تھا۔ پا کر اتنی ناقدری۔ آخر کیوں۔ تب میں نے ہوش کی دوا لی۔ اپنے آپ کو سرزنش کی کہ کس کے پیچھے خراب ہو رہے ہو۔ وہ ہے کہاں جو ملے گی۔ وہ تو ساری اپنی آواز میں تھی تم نے جانا کہ وہ آواز کے سوا بھی ہے۔ شہزادے نے وہ خوش رنگ پھول اپنے گلدان میں سجا دیا پھر یوں ہوا کہ روز صبح کو جب وہ جاگتا تو اپنی انگلی میں ایک خوبصورت نگینہ جڑی انگوٹھی دیکھتا اور حیران ہوتا۔ کتنا حیران ہوتا کہ یا عالم الغیب رات کے پردے میں کون آتی ہے اور روز ایک نئی انگوٹھی مجھے پہنا جاتی ہے آخر اس نے رتجگے کی ٹھانی۔ کافی انگلی تھوڑی کاٹ کر اس میں مرچیں بھر لیں کہ درد سے نیند نہیں آئے

گی۔ مکر بنا کر پڑ رہا جیسے سو رہا ہے جب رات آدھی گذری تب پھول مہکا کہ مہک سے اس کا ایوان سارا مہک گیا۔ پھر دھیرے دھیرے اٹھتے قدموں کی آہٹ سنائی دی پھر اس نے جانا کہ اس کی انگشت میں انگوٹھی پہنائی جا رہی ہے۔ شوقِ دید میں اس نے آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مگر اسے بس اس کی پنچھل نظر آئی۔ پھر دم کے دم میں وہ پھول میں سما گئی ادھر وہ ورطۂ حیرت میں غرق ہوا کہ وہ کون تھی جو پھول سے خوشبو کی مثال برآمد ہوئی اور اسے انگوٹھی پہنا کر صورت دکھائے بغیر پھول میں چھپ گئی۔ تب پھول کے بارے میں اس نے تجسس کیا مگر اب گلدان خالی پڑا تھا۔ حیرت میں ایک اور حیرت کہ یا الٰہی پھول کہاں گیا۔ تب دربدری خاک بسری قسمت میں اس کی لکھی گئی جنگلوں باغوں میں ٹوہ لیتا پھرتا تھا، حیران و پریشان ہوتا تھا کہ اے جہانِ رنگ و بو کے پیدا کرنے والے، باغِ عالم میں وہ کونسا گلشن ہے جہاں یہ شگوفہ پھوٹا تھا اور یہ پھول پھولا تھا۔ پھول میں کون گلبدن پری پیکر سمایا تھا۔ انگوٹھی اس نے کیوں پہنائی، صورت کیوں نہیں دکھائی۔

"میں تو جاؤں تم شیریں کو فون کر کے بلا لو۔ وہی آ کے انتظام کرے گی۔"

"ہوں"

"ہوں نہیں۔ آج ہی اسے فون کرو۔"

"اچھا" بات میں زبیدہ سے کر رہا تھا، دھیان کہیں اور تھا۔ تو وہ ساری اپنی آواز میں تھی نادان تیری بیتابی سے وہ پراسرار رشتہ جو اس آواز کے ساتھ پیدا ہوا تھا ٹوٹ گیا۔ ادھر سے جو عطا ہونا تھا عطا ہو چکا۔ وہ باب اب بند ہو چکا ہے اب کوہِ ندا سے آواز نہیں آئے گی۔

"دن بہت کم رہ گئے ہیں ابھی اسے فون کرو۔" زبیدہ نے فون لا کر میرے سامنے رکھ دیا۔

مگر اس کا فون نمبر کیا ہے۔ مجھے خیال ہی نہیں آیا کہ اس سے فون نمبر معلوم کر کے نوٹ کر لوں" یہ تو میں نے بات بنائی تھی اس نے جان کر مجھے اپنا فون نمبر نہیں بتایا تھا جب بھی فون نمبر اس سے معلوم کرنا چاہا وہ طرح دے گئی۔ بہت ٹوہ لینے کے بعد بس اتنا پتہ چل سکا تھا کہ نیویارک میں کوئی ایشین انسٹی ٹیوٹ یا ساؤتھ ایشین (؟)، آرگنائزیشن، یا اسی سے ملتے جلتے نام کا کوئی ادارہ ہے جس کی سروے ٹیم کے ساتھ وہ یہاں آئی ہے۔

"میرے پاس ہے اس کا نمبر"۔

"تمہارے پاس؟" میں نے تعجب سے زبیدہ کو دیکھا۔

"ہاں، شیریں نے وقت بے وقت کے لیے مجھے اپنا نمبر لکھا دیا تھا"۔

خوب، میں نے دل میں کہا کس واسطے سے اپنا پتہ مجھ تک پہنچایا ہے۔

زبیدہ نے نمبر بتایا۔ میں نے ڈائل گھمایا "ہیلو مس شیریں ہیں؟"

"مس شیریں"۔ ادھر سے جواب آیا "وہ جا چکی ہیں"۔

"کتنی دیر میں واپس آئیں گی۔"

"وہ تو ہیڈ کوارٹرز واپس چلی گئی ہیں"۔

میں چکرایا "ہیڈ کوارٹر؟ کیا مطلب، کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"جی ہیڈ کوارٹر۔ نیویارک"۔

"نیویارک!" میں سخت چکرایا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے" میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ انہیں تو سروے ٹیم کے ساتھ واپس جانا تھا۔ انہیں تو ابھی یہاں STAY کرنا تھا۔"

"جی ہاں، مگر ان کا پروگرام بدل گیا۔ ایمرجنسی میں انہیں واپس جانا پڑا۔"

میرے اندر تو ایک ہلچل مچ گئی۔ کیسے چلی گئی۔ کیوں چلی گئی۔ غلط ہے پتہ نہیں

ادھر سے کون بول رہا تھا۔ ممکن ہے شیریں نام کی کوئی اور خاتون ہو جس کے بارے میں وہ بتا رہا ہو۔ مجھے خود جا کر معلوم کرنا چاہیئے۔ میں فوراً ہی تو اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے ادھر سے صحیح جواب نہیں آ رہا۔ مجھے خود جا کر معلوم کرنا پڑے گا۔"

"ہاں جا کے معلوم کر دو بھلا شیریں اتنی جلدی کیسے واپس چلی جائے گی اور اگر ان دنوں جانا ہوتا تو وہ ہم سے ذکر نہ کرتی۔"

"دفتروں کا عجب عالم ہے کسی کے بارے میں پوچھو کبھی صحیح اطلاع نہیں ملتی۔"

بدحواس سٹپٹایا ہوا دفتر پہنچا۔ پوچھ گچھ کی۔ فون پر صحیح بتایا گیا تھا۔ شیریں نیویارک جا چکی تھی میں ایسے ہو گیا جیسے بڑا سا پتھر گرنے سے ایک دم سے کشتی ڈول جائے۔ چلی گئی۔ مگر کیوں؟ اور اتنی اچانک کہ مل کر بھی نہیں گئی ایمرجنسی؟ کیا ایمرجنسی ہو سکتی ہے؟ سو سو طرف دھیان گیا۔ کتنے امکانات، کتنے وسوسے دماغ میں پیدا ہوئے۔ کسی پہ جی ٹھکا نہیں۔ اور ایک دم سے بجلی کی طرح ایک خیال آیا۔ میری تو کوئی بات گراں نہیں گذری۔ تھوڑی دیر کے لیے میں چکر میں آ گیا۔ مگر پھر فوراً ہی اندر سے تردید ہوئی۔ تم اس کے لیے جب اہم تھے تب اہم تھے اب تم اس کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتے تھے کہ تمہارا کوئی سلوک کوئی بات اس طرح اس پہ اثر کرے کہ وہ اپنا سارا پروگرام تلپٹ کر کے واپس چلی جائے۔ پھر؟ تو پھر کیا نیویارک میں کوئی ایسا ہے کہ اس کی خاطر —— مگر اس خیال نے مجھے اتنا وحشت زدہ کیا کہ میں نے بیچ میں ہی اس کا گلا گھونٹ دیا۔ نہیں ایسا کوئی چکر اس کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ ہو ہی نہیں سکتا۔

جاتے ہوئے میرے قدموں میں بجلی بھر گئی ہوئی تھی واپس ہوتے ہوئے قدم سو سو من کے ہو گئے۔ کن مصیبتوں سے اپنا بھاری بوجھ سنبھالے میں وہاں سے

نکلا۔

میرا ایک قدم ٹریفک سے بھری مال پر تھا، دوسرا قدم صحرا میں تھا۔ سڑک پر چل رہا تھا کہ ویرانے میں بھٹک رہا تھا۔ ٹریفک کا شور بے معنی تھا۔ میرے اندر اس سے بڑھ کر شور مچا ہوا تھا۔ باہر کسی چیز کے کوئی معنے نہیں رہے تھے۔

\ \ \ \ \ \ \ \

/ / / / / / / /

۱۵

کتنی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ میں خاموش بیٹھا ہوں۔ کتنی دیر بعد؟ میں اندازہ نہیں کر سکا بس ایسا گمان ہوا کہ خاموشی کی ایک صدی گذر گئی ہے اور تب مجھے کامریڈ کی موجودگی کا خیال آیا۔ کب سے کامریڈ آیا بیٹھا ہے اور میں نے اس سے کوئی بات ہی نہیں کی، وہ دل میں کیا سوچتا ہوگا۔ کب سے؟ میں نے ذہن پر بہت زور ڈالا کہ کامریڈ کس وقت آیا تھا کچھ یاد نہیں آیا۔ کامریڈ کو میں نے ایک نظر دیکھا، میرے اور اس کے درمیان خاموشی کی ایک صدی پھیلی ہوئی تھی مجھے اس سے بات کرنی چاہیئے میں ہونٹ کھولنے لگا تھا کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کہنے کے لیے میرے پاس کوئی بات نہیں ہے کوئی رسمی سی بات، آخر بات شروع کرنی ہے کوئی بھی اِدھر اُدھر کی بات کر کے بات شروع کی جا سکتی ہے مگر میری سمجھ میں کوئی بات ہی نہیں آئی۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ میں اندر سے خالی ہو چکا ہوں۔ کوئی خیال، کوئی احساس، کوئی بات، کوئی اغل بے جوڑ بات ہی سہی۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے ایک بیچارگی کے ساتھ کامریڈ کو دیکھا درمیان میں پھیلی ہوئی خاموشی کی صدی کو عبور کرنا مجھے کس قدر مشکل نظر آ رہا تھا۔

"کامریڈ ——— ؟" بالآخر میں خاموشی کی مہر توڑنے میں کامیاب ہو گیا کتنی بڑی مہم میں نے سر کی تھی ایک دفعہ آدمی خاموش ہو جائے تو پھر زبان کھولنا اس کے لیے کتنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے مگر اب سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ آگے مجھے کیا کہنا ہے۔ خیر کامریڈ نے خود ہی میری اس مشکل کو حل کر دیا۔ "ہوں" اور اس کے ساتھ اس نے ایک لمبی جمائی

لی۔ وہ بھی شاید دور نکل گیا تھا اس کی لمبی ہوں اور لمبی جماہی بتا رہی تھی کہ لمبے سفر سے واپس ہوا ہے "پھر کامریڈ سگریٹ ہی پلواؤ۔"

میں نے فوراً سگریٹ کی ڈبیا کامریڈ کو پکڑا دی اسے غور سے دیکھا "کامریڈ"۔

"ہوں"

"یار آج میں نے تمہیں بور کر دیا"

"نہیں کامریڈ"

"پھر چونچ بند کئے ہوئے کیوں بیٹھے ہو"

کامریڈ نے سگریٹ سلگایا۔ لمبا کش لیا۔ میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ابھی تک میں نے کامریڈ کے اس غیر معمولی رویے پر دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ میں خود اپنی اداسی میں گم بیٹھا تھا اب خیال آیا اور تعجب ہوا کہ کامریڈ کو آج ہوا کیا ہے وہ تو آتے ہی شروع ہو جایا کرتا تھا۔ سوچا کہ شاید مجھے چپ دیکھ کر کامریڈ کو چپ لگ گئی۔ مگر یہ تو اس کے مزاج کے خلاف بات تھی کسی کا کیسا ہی موڈ ہو، کوئی کسی پریشانی میں ہو، کامریڈ کب اس پر دھیان کرتا تھا بس اچانک آ دھمکنا، پمفلٹوں، اخباروں سے بھرے اپنے تھیلے کو ایک طرف پٹخنا اور بیٹھنے سے پہلے روانہ ہو جانا۔ بات کوئی پورب کی، کوئی پچھم کی، تان بہرحال انقلاب پر توڑنا۔

"اچھا کامریڈ یوں کرتے ہیں کہ چائے بنواتے ہیں۔ چائے پی کر تمہارا موڈ ٹھیک ہوگا۔" میں نے سوچا کہ شاید اس طور میرا موڈ بھی کچھ بحال ہو جائے۔

"نہیں کامریڈ"

میں نے کامریڈ کو تعجب سے دیکھا "کامریڈ چائے سے انکار کر رہے ہو"

"یہاں نہیں"

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے کہیں باہر نکل کر بیٹھتے ہیں۔ چلو تمہیں آج ہلٹن میں

چائے پلاتے ہیں"۔ اور میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔

"نہیں ہلٹن میں نہیں۔"

"انٹر کان میں؟"

"نہیں کامریڈ۔ ایبٹ روڈ چلتے ہیں۔"

"ایبٹ روڈ؟" میں نے کامریڈ کو تعجب سے دیکھا "کامریڈ میں تمہیں انٹرکون اور ہلٹن میں چائے پلانے پر آمادہ ہوں۔ تم ایبٹ روڈ کی بات کر رہے ہو۔ وہاں کونسا معقول ریستوران ہے۔"

"بس ایبٹ روڈ چلنا ہے۔"

"اچھا تمہاری مرضی۔ میں تو تمہیں ہائی کلاس چائے پلانے کی سوچ رہا تھا۔"

ایبٹ روڈ کے اس بوسیدہ چائے خانے میں داخل ہوتے ہوئے کامریڈ بولا "یہ جگہ بھی بدل گئی۔"

"بدل گئی۔" میں نے کامریڈ کو تعجب سے دیکھا "کامریڈ کیا کہہ رہے ہو میں تو بہت شروع میں، بس سمجھ لو کہ ۱۹۴۷ء میں ایک دو دفعہ یہاں آیا تھا۔ جتنا میلا اس وقت تھا اتنا ہی اب ہے کمال ہے اتنے عرصے میں یہاں کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ بالکل وہی نقشہ ہے" اور یہ کہتے کہتے ایک تعجب نے مجھے آ لیا۔ تب سے اب تک کتنا زمانہ گذر چکا ہے مگر یہ جگہ ویسی ہی ہے۔ اتنی ہی میلی، اتنی ہی بوسیدہ۔

"وہ نقشہ! —— نہیں یار، وہ تو نقشہ ہی اور تھا۔ باہر کھلے میں لکڑی کی ایک لمبی تپائی پڑی رہتی تھی اس کے ساتھ ایک لمبی میز۔ دادا اسی بنچ پہ آ کے بیٹھا کرتے تھے کتنی رونق ہوا کرتی تھی ان دنوں۔ ہر یونین کا بندہ نظر آتا تھا۔ سب دادا کے گرد جمع رہتے تھے" لمبا ٹھنڈا سانس لے کر "اب ان میں سے کوئی بندہ نظر نہیں آتا اور ان سالوں نے وہ تپائی اور میز بھی یاں سے غائب کر دی؟

"کامریڈ، یاں باہر تمہیں تپائی اور میز کے لیے کوئی گنجائش نظر آ رہی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو کامریڈ، ان دنوں تو یہاں سامنے بہت ساری جگہ خالی پڑی تھی۔ اب یاں پہ سالی قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔"

کامریڈ کے اس کہنے کے ساتھ مجھے احساس ہوا کہ واقعی یہ جگہ تو بہت بدل گئی ہے۔ بیشک چائے خانہ اندر سے نہیں بدلا۔ وہی میلا پن وہی بوسیدگی۔ مگر ارد گرد تو سارا بدل گیا ہے کتنی کشادہ جگہ تھی اور اب قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔ تجاوزات اور بڑھے ہوئے ٹریفک نے اس گوشے کو کتنا بدہیت بنا دیا تھا۔

"عجب بات ہے یہ شہر آدمیوں سے خالی ہوتا جا رہا ہے اور جگہیں بھرتی چلی جا رہی ہیں۔"

کامریڈ نے تائید میں سر ہلایا "ٹھیک کہتے ہو کامریڈ۔ سالا ہجوم اتنا اور آدمی غائب۔ ایک وقت آنے والا ہے کہ یہاں سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔"

"وہ وقت آ نہیں چکا ہے۔"

"بالکل بالکل"۔ کامریڈ نے فوراً اپنی تصحیح کی۔ پھر بولا "حالات اس زمانے میں بھی خراب تھے۔ مگر زمانہ اچھا تھا" اس کے ساتھ ہی اس نے ایک لمبا غوطہ لگایا بالکل خاموش۔ کسی سوچ میں کھویا ہوا۔ دیر بعد تہہ سے سر نکالا "ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھو؟"

"تم نے کبھی محبت کی ہے؟"

"محبت؟" کامریڈ کے منہ سے یہ نام سن کر میں کتنا حیران ہوا "کامریڈ تمہارا مضمون تو انقلاب ہے اسی مضمون تک رہو۔"

"کامریڈ، مذاق میں بات مت ٹالو۔ میں اس وقت سخت سیریس ہوں۔"

"اچھا؟" اور میں نے کامریڈ کو غور سے دیکھا اس نے ٹھیک کہا۔ اسوقت وہ

بہت سنجیدہ تھا ۔ "یار کامریڈ بات یہ ہے کہ ——— ؟ میں سوچ میں پڑ گیا "یار یہ بتانا بہت مشکل ہے"۔

"کیوں مشکل ہے؟ تم عورت تو نہیں ہو اس غریب کے لیے تو بتانا واقعی مشکل ہوتا ہے۔"

"یار کامریڈ بات یہ ہے کہ اس سوال کا دو ٹوک جواب دینا مشکل ہے۔"

"کوئی مشکل نہیں ہے آدمی نے یا تو محبت کی ہوتی ہے یا محبت نہیں کی ہوتی ہے اور ہاں کامریڈ ایک بات بتا دوں محبت سے میری مراد ہے محبت۔ اب اگر تم نے کسی لڑکی سے فلرٹ کیا ہے یا رومانس لڑایا ہے یا کسی لڑکی کے چکر میں پھنس گئے ہو تو وہ قصہ الگ ہے جیسے تم ایک زمانے میں ایک لڑکی کے چکر میں تھے نا اس سے تمہاری ملاقات نہیں ہو پارہی تھی۔ ممتاز تمہارا مشیر بنا ہوا تھا۔ اس سے آگے مجھے معلوم نہیں۔ میں اس وقت پارٹی کے کام میں دن رات جتا رہتا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ سالے بورژوا ان کو تو اور کوئی کام ہے ہی نہیں۔ مثالی سے بیگار بھلی۔ تو کامریڈ تمہاری ملاقات اس سے ہو گئی تھی؟"

"ملاقات؟" میں کھسیانا سا ہو گیا "پتہ نہیں اسے ملاقات کہنا چاہیے یا کیا کہنا چاہیے۔"

"تو پھر خط بازی ہی ہوتی رہی؟"

"خط بازی؟ نہیں۔ خط بازی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ وہ غائب ہی ہو گئی۔"

"اچھا؟ کمال ہے کامریڈ، تم نے جان کو روگ تو اتنا لگا رکھا تھا۔ ہوا کچھ بھی نہیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ بہت بے ہنگم سی بات ہے تمہاری زبان میں جھنجھل ہو سیا۔ میری سمجھ میں خود نہیں آیا کہ میرے ساتھ یہ کیا ہوا۔ میں تمہیں کیا جواب دوں۔"

کامریڈ نے سوچا، پھر کہا "بس کامریڈ، پتہ چل گیا، تم نے محبت کی ہے۔"

"پتہ چل گیا؟ کیا پتہ چل گیا۔ کامریڈ مجھے خود پتہ نہیں چلا کہ یہ معاملہ کیا تھا۔ تمہیں کیسے

پتہ چل گیا۔"

کامریڈ ہنسا" کامریڈ محبت اسے ہی کہتے ہیں بس بھمبھل بھوسا ہے میں نے ایک مرتبہ فاروق سے پوچھا تھا اس نے روحانی سسکیوں اور آنسوؤں سے بھرپور ایک کہانی سنا دی ایسی کہانی ظالم نے سنائی کہ اس پر فلم بنائی جائے تو ہٹ جائے۔ مگر میں نے سمجھ لیا کہ اس نامعقول آدمی نے کوئی محبت وحبت نہیں کی ہے بس جب آدمی بھمبھل بھوسے میں پڑ جائے اور یہ طے نہ کر سکے کہ اس کے ساتھ ہوا کیا تو وہی محبت ہوتی ہے جیسے میرے ساتھ ہوا۔"

"تمہارے ساتھ؟ کامریڈ، تمہارا تو یہ خانہ ہی خالی ہے۔"

" میں بھی یہی سمجھتا تھا مگر خانہ خراب ہوتے دیر تھوڑا ہی لگتی ہے بغیر میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ مگر رات وہ مجھے یاد آگئی۔ سالی عجیب سی بات ہے۔ یاد آنے کی کوئی وجہ تو ہوتی۔ بس بلاوجہ بلاسبب یاد آگئی۔ اور بہت یاد آئی۔ پھر میں سو نہیں سکا۔"

" اچھا؟" میں حیران کامریڈ کو دیکھ رہا تھا۔

" کامریڈ آگے مت پوچھنا۔"

" چلو نہیں پوچھتے"، مگر پھر مجھ سے رہا نہیں گیا۔ ایک دو باتیں کر کے پھر اسی موضوع پہ آگیا" کامریڈ! یہ تو میں نہیں پوچھوں گا کہ کون تھی، کیا قصہ ہوا۔ اس سے ہٹ کر ایک بات بتا دو۔ یہ افلاطونی محبت تھی یا کچھ اور بھی قصہ تھا۔"

" کامریڈ، تم نے بے ڈھب سوال پوچھا ہے"۔ رکتے ہوئے کچھ جھجکتے ہوئے " ویسے تو افلاطونی بھمبھل بھوسا ہی تھا مگر ایک دفعہ ـــ بس ایک دفعہ ـــ ہوا یوں کہ ـــ پتہ نہیں کیا ہوا۔ کیسے ہوا۔ ـــ بس وہ میرے بازوؤں میں جکڑی ہوئی اور میرے ہونٹ اس کے ہونٹوں کے ساتھ پیوست۔" چپ ہو گیا کسی خیال میں کھو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا" کامریڈ، میری زندگی میں بس ایک

بوسہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

"بس ایک بوسہ؟"

"کامریڈ، ایک بوسہ بھی بہت ہوتا ہے آدمی اگر ٹھکانے سے لیلے تو عمر بھر کے لیے کافی ہوتا ہے کیا سمجھے کامریڈ؟"

کامریڈ جیسے بات کر کے فارغ ہو گیا ہو۔ مگر میرے اندر ایک بےکلی شروع ہو گئی تھی میں چاہتا تھا کہ یہ ذکر تھوڑا اور چلے "تو کامریڈ، رات وہ تمہیں بہت یاد آئی؟"

"ہاں کامریڈ، پتہ نہیں کیوں اچانک سے یاد آ گئی۔ پھر رات بھر میں سو نہیں سکا۔"

"وہ گئی کہاں؟"

"کامریڈ، عورت کے بارے میں یہ نہیں پوچھا کرتے یہی تو اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ چھم سے آجاتی ہے پتہ نہیں چلتا کہ کیسے آئی، کہاں سے آئی۔ ایک دم سے چلی جاتی ہے پتہ نہیں چلتا کہ کیسے چلی گئی، کہاں چلی گئی۔"

"ٹھیک کہتے ہو کامریڈ۔ پھر تم نے اسے تلاش کیا؟"

"نہیں کامریڈ۔"

"کیوں؟"

"بس گئی سو گئی۔ پھر تلاش بے سود ہے۔"

کامریڈ کی اس بات پر میں جھنجھلا گیا "کامریڈ، انقلاب کے معاملہ میں تو تم مایوسی کو کفر سمجھتے ہو۔ مگر زندگی کے معاملہ میں تم اتنے قنوطی ہو۔"

"دیکھو کامریڈ، انقلاب اور عورت میں یہی تو فرق ہے انقلاب تو آدے ہی آدے۔ مگر عورت۔ وہ جا کر پھر کبھی نہیں آتی۔"

"یار کامریڈ۔ فتوے دینا چھوڑ دو۔ یہ زندگی ہے اس کے بارے میں قطعی حکم نہیں لگا سکتے۔"